ڈاکٹر سرور عظیم قریشی

انچارج شعبہ اُردو، تھل یونیورسٹی، بھکر

عمران رمضان

وزٹنگ لیکچرار اُردو، تھل یونیورسٹی، بھکر

سید اُمید علی شاہ کی ادبی جہات

Dr. Sarwar Azeem Qureshi
In Charge Department of Urdu, Thal University, Bhakkar
Imran Ramzan
Visiting Lecturer Urdu, Thal University, Bhakkar

The Literary Trajectories of Syed Umaid Ali Shah

ABSTRACT
Syed Umaid Ali Shah is a distinguished poet and writer of Saraiki and Urdu languages. He has rendered valuable services for the promotion of Urdu literature. His entire life seems to be associated with various literary organizations and the field of journalism. Ali Shah has made efforts to bring the creative literature and writers of his region to the global scene of Urdu literature. The literature, he has created reflects the exploited class of society. His poetry has been adorning local and national magazines from time to time. In this article, it is tried to explain the literary trajectories of Syed Umaid Ali Shah regarding his services related to revival of the poetry of the rural areas and made it famous both domestically and internationally.

Keywords: *Syed Umaid Ali Shah, Saraiki and Urdu Poet, Thal writers, Urdu in Bhakkar, Noomi Ki Shararteen, Zard Patty, Barish Mujh Ko Ras Nahi, Dharti Ke Rang, Mohabbat Thi Gaye Ae, Ujlay Rang Mohabbat Kay*

سید امید علی شاہ یکم مئی 1968ء کو ضلع بھکر کی تحصیل منکیرہ میں سید اعجاز شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق زمیندار قبیلے سے تھا۔ ان کے آباؤ اجداد میانوالی سے تیس کلو میٹر کالا باغ روڈ پر قائم گاؤں ڈھیر امید علی شاہ سے ہجرت کر کے خانیوال کے قصبہ کچا کھوہ کے نواحی گاؤں چک نمبر 38/10 آر چلے گئے۔ بعد ازاں ان کا گھرانہ بھکر کی تحصیل دریا خان کے نواحی گاؤں کہاوڑ کلاں میں سکونت پذیر ہوا۔ پھر بھکر میں آباد ہوئے، بعد ازاں منکیرہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ان کا تعلق سادات گھرانے سے تھا۔ قلمی نام علی شاہ اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ سرائیکی اور اُردو زبان بولتے

تھے۔ان کا خاندان شمشیر و سناں والا تھا۔ مگر علی شاہ نے اپنا رشتہ قلم سے جوڑا اور خاندان میں ایک نئی طرز ڈالی۔ پاکستان پیپلز پارٹی منکیرہ کے صدر بھی رہے۔وہ کافی عرصہ صحافت کے شعبہ سے بھی وابستہ رہے۔

علی شاہ نے مڈل کا امتحان کہاوڑ کلاں سے پاس کیا پھر منکیرہ چلے گئے اور بھکر ماڈل ہائی سکول سے 1985ء میں نہم کلاس اور دہم کلاس منکیرہ ہائی سکول سے 1986ء میں مکمل کی۔ ایف اے میں آرٹس مضامین کا انتخاب کیا اور بی اے کا امتحان گورنمنٹ کالج بھکر سے پاس کیا۔ بی اے کرنے کے بعد اُردو اور تاریخ میں سرگودھا یونیورسٹی سے ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ بی ایڈ اور ایم ایڈ کی ڈگریاں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے مکمل کیں۔ انہوں نے عربی زبان کا کورس بھی کیا اور انگریزی کی تعلیم کے لیے نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کا رخ کیا اور ڈپلومہ حاصل کیا۔ کامرس کالج منکیرہ سے کمپیوٹر کا ڈپلومہ بھی کیا۔ میڈیکل شعبہ سے وابستہ ہونے کے لیے پنجاب سرحد ہومیوپیتھک کالج بھکر سے چار سالہ ڈپلومہ بھی حاصل کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد 02 مارچ 1993ء کو پٹی بلندا تحصیل منکیرہ میں بطور پرائمری سکول ٹیچر بھرتی ہوئے۔ بعد ازاں تحصیل منکیرہ کے مختلف سکولوں میں تدریس کے شعبے میں فرائض منصبی سر انجام دیتے رہے جن میں بمبے والا, منکیرہ سٹی اور سنگیڑاں والا سکول وغیرہ سر فہرست ہیں۔ 1989ء میں انہوں نے صحافت کا آغاز کیا۔ پریس کلب منکیرہ کے بارہا صدر بھی منتخب ہوئے۔ 1992ء میں نوائے وقت سے منسلک ہوئے۔ منکیرہ پریس کلب میں ایک لائبریری علی شاہ کے نام سے ان کی یاد میں بنائی گئی ہے۔وہ بہت سی ادبی تنظیموں سے بھی وابستہ رہے جن میں بزم نظیر منکیرہ، ادبی سنجوک منکیرہ، بزم محبان بشیر بھکر، حلقہ فروغ ادب بھکر، رائٹرز پینل لاہور، روہی تھل پروڈکشن ملتان، اوورسیز رائٹرز فورم اسلام آباد زیادہ نمایاں ہیں۔

انہوں نے اپنے قلمی سفر کا آغاز بچوں کی کہانیاں لکھ کر کیا۔ اس ضمن میں بچوں کے لیے نکالے جانے والے رسائل و جرائد میں مسلسل کہانیاں لکھتے رہے۔ انہوں نے اُردو کی بہت سی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا ادبی سرمایہ اُردو ادب میں ایک اہم سنگ میل ہے۔ ان کی تخلیقات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تصانیف میں "نومی کی شرارتیں (بچوں کے لیے کہانیاں)، زرد پتے (مختصر افسانے) ،بارش مجھ کو راس نہیں (اُردو شاعری, غزلیں اور نظمیں)، دھرتی کے رنگ (شخصیات پر لکھے گئے مضامین)، محبت تھی گئی اے (سرائیکی گیت / ڈوہڑے)، اجلے رنگ محبت کے (اُردو شاعری)، تیکوں ملن دی سک (انتخاب)، ثنائے سبط رسول (انتخاب)، جدائی امتحاں ہے (انتخاب)، تحصیل منکیرہ کے ادب / علاقہ تھل کے ادب (تحقیق)، وانگ داوہن (انتخاب)، ماں میں اکیلا ہوں (سوانح عمری)، وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی پہلی تصنیف کے بارے میں جنگ اخبار میں یوں درج ہے:

> "علی شاہ کی کہانیاں 1999ء میں 'نومی کی شرارتیں' کے عنوان سے کتابی صورت میں منظر عام پر آئیں۔"[1]

یہ تصنیف سانول پبلی کیشنز بھکر نے شائع کی۔ اس میں علی شاہ نے بچوں کی شرارتوں کو موضوع بنایا اور بچوں کی مختلف قسم کی شرارتوں پر کہانیاں لکھیں۔ علی شاہ کی ایک اور بہترین تصنیف "زرد پتے" کے عنوان سے 2000ء میں شہریار پبلی کیشنز اسلام آباد نے شائع کی۔ یہ کتاب مختصر افسانچوں پر مشتمل ہے۔ اس میں معاشرتی کمزوریوں کو زیر بحث لایا گیا۔ جس میں اصلاحی پیغامات پوشیدہ تھے اور یوم خواتین کے حوالے سے بات کی گئی۔ اس کتاب کا دائرہ کار غریب کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ اس میں جاگیردارانہ نظام اور غریب طبقہ کی خواتین کی زندگی پر بحث کی گئی ہے۔ ان کا یہ افسانوی مجموعہ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مجموعے کو بڑی شہرت ملی۔ اس کی تحریریں دل کو لبھانے والی اور دلچسپ ہیں۔ اس میں تسلسل اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ لفظی و معنوی اعتبار سے یہ منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ان کے افسانچوں پر مبنی ایک ایسی تصنیف ہے جو اپنے اسلوب اور مضامین کی ندرت کی وجہ سے منفرد اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی زبان سادہ اور عام فہم ہے علی شاہ نے ان مختصر افسانچوں میں الفاظ کا ایسا جادو جگایا ہے پورے ماحول کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں انہوں نے اس کی تحریروں میں ایسی دلآویزی پیدا کر دی ہے کہ قاری ان کے الفاظ کی رو میں بہتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ علی شاہ ایک خوبصورت شاعر بھی ہیں اسی وجہ سے اپنی شاعرانہ زبان کا اظہار اپنی نثر میں بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا ذخیرہ الفاظ بہت زیادہ ہے انہوں نے الفاظ کے صحیح استعمال کو بخوبی نبھایا ہے۔ ربط و تسلسل، جاذبیت، رنگینی الفاظ اور دلچسپی ان کے اسلوب کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ ان کے اسلوب کے بارے میں وصی شاہ یوں بیان کرتے ہیں:

> "علی شاہ کی تحریریں دل میں اتر جانے والی ہیں۔ جن میں خلوص بھی ہے اور سچائی اور تازگی بھی ہے۔ زرد پتوں کے افسانچوں میں آج کا محروم اور پسا ہوا انسان نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ پیٹ کی آگ، جمہوریت، نیکی کا صلہ اور قانون، ایسے افسانچے ہیں جنہیں آپ بار بار پڑھنا چاہیں گے۔"(2)

علی شاہ نے ان افسانچوں میں اپنے سماج کے استحصال زدہ طبقے کی عکاسی کی ہے۔ ان میں معاشرے کے غریب اور لاچار طبقے کی زبوں حالی اور حالت زار کو بیان کیا گیا ہے۔ معاشرتی طبقاتی نظام کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ پرولتاری طبقے کے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مزید بر آں دیہاتی زندگی کی خوب عکاسی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ علی شاہ نے پسماندہ علاقے میں رہنے کے باوجود ان کی تحریریں آفاقی اور عالمگیر حیثیت کی حامل ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانچوں کو محض اپنے علاقے کی ثقافت تک محدود نہیں کیا بلکہ ان میں ساری دنیا کے حالات و واقعات کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ انہوں نے اُردو ادب کی جدید نثری صنف پر طبع آزمائی کر کے اُردو زبان میں قیمتی سرمائے کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں جاذبیت اور دلچسپی کا عنصر غالب ہے۔ افسانچے کے لیے موضوع کا انتخاب کرنا بڑی مہارت ہوتی ہے جس پر انہیں

فوقیت حاصل ہے۔ انہوں نے کسی بھی موضوع پر عمیق مطالعہ اور گہرے مشاہدے کے بعد ہی خامہ فرسائی کی ہے جس سے کلام میں جامعیت اور اختصار پیدا ہو گیا ہے۔ ان کی تحریریں دلوں کو لبھانے والی ہیں اس کی سب سے بڑی خوبی تحریروں کی دلچسپی ہے جو آغاز سے لے کر اختتام تک مسلسل بر قرار رہتی ہے اور قاری کو مسحور کن انداز میں اپنی لپیٹ میں لے کر اکتاہٹ محسوس نہیں ہونے دیتی۔ بلکہ قاری جب اس تحریر کو پڑھنا شروع کرتا تو اسے ختم کر کے ہی سکون حاصل کرتا ہے۔ بشریٰ رحمٰن ان کی تصنیف کے بارے میں یوں رائے دیتی ہیں:

> "دنیا میں ہر شے اپنے تضاد کے ساتھ موجود ہے ، اس کے باوجود بنی نوع انسان پرچھائیوں کے تعاقب میں سرگرداں رہتا ہے۔ علی شاہ کی زیر نظر کتاب زرد پتے، خوشی اور ناخوشی کے معصوم افسانوں پر مشتمل ہے۔ زندگی کا افسانہ بھی چھوٹا سا ہے، چیخ سے شروع ہوتا ہے، ہچکی پر ختم ہو جاتا ہے۔ علی شاہ نے سرمئی زمین کے زرد پتے اکٹھے کیے ہیں۔ ان کی رگوں کے اندر امید کی ایک روشنی بھر دی ہے۔ ہر پتے کی ہتھیلی پر ایک پیغام لکھا ہے۔"(3)

علی شاہ نے اس مجموعے میں حقیقت نگاری کو اپنایا ہے۔ معاشرے کے لوگوں کو ان کا اصل چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ سماجی حقائق کو آشکار کیا جاسکے اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کیا جاسکے۔ ان مختصر کہانیوں میں سماج کی پوشیدہ برائیوں کو اصلاح کی غرض سے نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو طنز کا نشانہ بنانے کی بجائے سلیقے سے ان کی برائیوں کو آشکار کر کے اصلاح کی طرف راغب کیا جائے۔ انہوں نے انسانی جذبوں کو ذرہ ذرہ سمیٹ کر ان راہ گزاروں میں ایسی صورتیں تراشی ہیں جن میں سسکتی سانسیں، کلبلاتی روحیں اور کربناک زندگی کے نوحے ہیں۔ علی شاہ کی یہ بے باکانہ طرز تحریر جنہیں افسانوں کا مجازی نام دیا گیا ہے، حقیقت کے بہت قریب ہے انہوں نے اس ماحول کو نزدیک سے دیکھا ہے۔ اور اس کی اصل تصویر اپنی اس تصنیف میں پیش کر دی ہے۔

علی شاہ معلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے ادیب، شاعر، صحافی اور سماجی رہنما تھے۔ ان کا کلام مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتا رہا ہے۔ ان میں "نوائے وقت" لاہور، "مشرق" لاہور، روزنامہ، "مرکز" اسلام آباد، ماہنامہ "الکشمیر" اسلام آباد، "امروز" لاہور، روزنامہ "پاکستان" اسلام آباد، ہفت روزہ "فیملی میگزین" لاہور، ہفت روزہ "سانول" بھکر، روزنامہ "بھکر ٹائمز"، روزنامہ "داور" بھکر، روزنامہ "انکشاف"، ڈیرہ اسمٰعیل خان، ماہنامہ "عوامی درشن" ملتان، سہ ماہی "سویل" بہاولپور، پندرہ روزہ "تھل آبزور" بھکر اور جرائد میں "ماہنامہ "ادب لطیف" لاہور، ماہنامہ "ماہ نو" لاہور، سہ ماہی "نوادرات" لاہور، ماہنامہ "سچی کہانیاں" کراچی، ماہنامہ "سرگزشت" کراچی، ماہنامہ "سیپ" کراچی، سہ ماہی "قلم قبیلہ" بھکر زیادہ قابل ذکر ہیں۔

ان کی تصنیف "منکیرہ کا ادبی منظر نامہ" ایک بہترین ادبی تحقیق کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ اس میں پنجاب کے ضلع بھکر کی تحصیل منکیرہ کے ادباء و شعراء کا تفصیلاً ذکر ملتا ہے۔ یہ علی شاہ کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اتنی بڑی تعداد میں ادبا و شعراء کے سوانحی حالات اور تخلیقی کام کو مرتب کیا۔ یہ تصنیف علاقائی ادب کو بین الاقوامی سطح پر لانے کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ اس کا مقصد پسماندہ علاقوں کے ادیبوں اور ان کی تخلیقات کو بین الاقوامی سطح پر لانے کا پیش خیمہ ہے۔ علی شاہ کو اپنے علاقے سے بہت زیادہ محبت رہی ہے اور اس محبت کا ثبوت اس تخلیق کی شکل میں نمایاں ہوا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ تھل کے ادب کو عالمی ادب کے معیار کے مطابق تخلیق کیا جائے اور یہاں کی تہذیب و ثقافت کو دنیا کے سامنے رکھا جائے اور ان کی تہذیب و ثقافت کو ایک منفرد اور الگ پہچان ملنی چاہیے۔ علی شاہ نے اسی مقصد کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کوشش کی ہے کہ ایسا کلام تخلیق کیا جائے جو آفاقیت کا حامل ہو۔ ان کی تحریریں آفاقی نوعیت کے مضامین کی حامل ہیں۔ انہوں نے ایک پسماندہ اور ہر قسم کی سہولیات سے محروم علاقے کے نامور شعراء و ادباء پر مشتمل ادبی منظر نامہ مرتب کیا جو اپنے لحاظ سے ایک بہترین اور منفرد کاوش ہے۔ انہوں نے بڑی محنت اور ریاضت سے ان ساری شخصیات کا کھوج لگایا، ان کے متعلق معلومات اکٹھی کیں، کوائف جمع کیے اور ان نا روز گار ہستیوں کو آشکار کیا اور ان کی تخلیقات کو ہمیشہ کے لیے زندہ و جاوید کر دیا تا کہ جو شخص بھی کبھی ادب کی تاریخ مرتب کرے تو ان کے کلام کو اس کے مقام کے مطابق اپنی تاریخ میں ضرور جگہ دے۔ تا کہ ادب کی تاریخ مکمل اور درست انداز میں مرتب ہو سکے۔ علی شاہ کا یہ بہت نمایاں اور اہم کام ہے جس کی اہمیت سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کتاب میں منکیرہ کے ادیبوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک وہ تخلیق کار ہیں جن کا تعلق منکیرہ اور اس کے گرد و نواح سے ہے ان کو مقامی تخلیق کاروں کی ذیل میں رکھا گیا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دوسرے حصے میں 'مسافر ادیب' ہیں۔ یہ وہ ادیب ہیں جن کا تعلق کسی اور علاقے سے تھا لیکن وہ سفر یا ہجرت کر کے منکیرہ آن بسے پھر کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد واپس چلے گئے ان ادیبوں کی تعداد اکیس ہے۔ کتاب کے تیسرے اور آخری حصے میں اسلامی ادیب و شاعر درج کیے گئے ہیں ان کی تعداد نو کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ کچھ شاعرات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ علی شاہ کی اس تصنیف کے بارے میں کشور ناہید از اسلام آباد ان الفاظ میں رائے دیتی ہیں:

> "مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ پاکستان پاکستان کے ایک چھوٹے سے علاقہ منکیرہ میں علی شاہ جیسا خوش بیان اور ذہین و دانشور موجود ہے، جو شعری تربیت کے ساتھ پاکستان کے افق ادب پر جلوہ ریز ہوا ہے۔ ادبی منظر نامہ میں خوب صورت شاعری کے ساتھ ساتھ علی شاہ کی نثر نگاری بھی پوری طرح عیاں ہے۔ اس کتاب میں تھل

کی ثقافت یہاں کے موسم، سادگی اور رہن سہن کے عنصر بھی نمایاں ہیں۔ علی شاہ
کے لہجے کی جدت اور بے ساختگی ادبی منظر نامہ کی انفرادیت ہے"۔[4]

علی شاہ کو اُردو زبان و ادب پر مکمل عبور حاصل ہے۔ وہ ایک خوب صورت شاعر بھی تھے۔ اس لیے لفظ کو درست جگہ پر بخوبی استعمال کرتے ہیں، جس سے تحریر میں ایک نیا اور منفرد رنگ پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ یہ کتاب معلوماتی ہے اور سنجیدہ مضامین باندھے گئے ہیں، اس میں بھی انہوں نے خوب صورت الفاظ شاعرانہ انداز میں تحریر کیے ہیں جس کی بنا پر ان کی تحریریں قاری پر بوجھ محسوس نہیں ہوتیں بلکہ ان میں دلچسپی کا عنصر مسلسل غالب رہتا ہے۔ ان کا انداز بیان ربط و تسلسل، جامعیت اور دلچسپی سے بھرپور ہے۔ اس تصنیف کے ذریعے انہوں نے نئی نسل کو تخلیقی اور تحقیقی راہ دکھائی ہے۔ ان کی تحریروں پر جدیدیت کا رنگ غالب ہے۔ انہوں نے ہمیشہ نئے انداز بیان اور جدید اسلوب کو اپنایا ہے اس تصنیف میں بھی جدید دور کے تحقیقی و تنقیدی اصولوں اور تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تحقیقی مضامین لکھے گئے ہیں۔ اس حوالے سے ایم آر ملک (روزنامہ اوصاف) یوں بیان کرتے ہیں:

"علی شاہ نا صرف نسل نو کا نمائندہ شاعر ہے بلکہ صاحب اسلوب نثر نگار بھی
ہے۔ انہوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے توانا روایات کو جنم دیا۔ وقت کی آنکھ علی
شاہ کو فیض اور جالب کے رنگ میں دیکھے گی۔"[5]

علی شاہ کی ایک اور تصنیف "ثنائے سبط رسول" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس تصنیف میں مختلف سرائیکی زبان کے شعراء کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ضلع بھکر کے سرائیکی ادبا و شعرا کا ذکر اُردو زبان میں کیا گیا ہے۔ جبکہ ان کا نمونہ کلام سرائیکی زبان میں ہی بیان کیا گیا ہے۔ شعرا کی سوانح حیات اور فن پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ ان شعرا کے کلام کے بارے میں مختلف ناقدین کی آراء کو بھی درج کیا گیا ہے جس سے کسی بھی محقق کو ان شعرا کے کلام کے بارے میں تفصیلاً آگاہی مل سکتی ہے۔ یہ علی شاہ کی تحقیق و تنقید پر بہترین تصنیف شمار کی جاتی ہے۔ اس میں ایک مخصوص علاقے کے بہت سے شاعروں کے بارے میں مکمل تحقیق کر کے ان کے کلام کو ناقدانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے ایک مخصوص علاقے کی بھی نمائندگی ہوتی ہے اور بعد میں آنے والے شاعروں کو بھی ایک ڈگر کا اندازہ ہوتا ہے کہ سرائیکی شاعری کے رموز و علائم کو سمجھ سکیں اور بہترین انداز میں شاعری کے اعلیٰ نمونے پیش کیے جا سکیں۔ یہ نوجوانوں کے لیے ایک رہنما تصنیف ہے۔ جو سرائیکی زبان میں شاعری کرنے والوں کو گائیڈ لائن بھی مہیا کرتی ہے۔ اس میں ضلع بھکر سے سلام کہنے والے شعرا کے کلام کو جمع کیا گیا ہے اور ایک مجموعے کی شکل میں ان کا انتخاب شائع کیا گیا ہے۔ اس میں اُردو کے ساتھ سرائیکی میں سلام بھی شامل کیے گئے ہیں، اس کے علاوہ ہر شاعر کا تعارف مع تصویر بھی

مہیا کیا گیا ہے۔ اس کا نام، علاقہ، خدمات اور کتب کی تعداد درج کی گئی ہے۔ ہر شاعر کا ایڈریس بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس تصنیف کے بارے میں صبغتہ اللہ عاصم ان الفاظ میں رائے دیتے ہیں:

"اس کتاب میں انفرادیت، خوب صورتی، جاذبیت اور حسن و کمال کے سبھی رنگ شامل ہیں۔ اس میں علی شاہ کی شاعری اُردو اور سرائیکی زبان میں شامل اشاعت ہے۔ اس کے فکر و وجدان، علم اور مشاہدہ نے ثناسبط رسول اور خانوادہ نبوت کے حوالے سے جن محبت بھرے جذبات کو لفظوں کا روپ دیا ہے وہ ایک بڑی سعادت ہے"۔(6)

علی شاہ کی ایک اور تصنیف "ونگ داوین" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس کا نام بھی سرائیکی زبان میں رکھا گیا ہے۔ اس تصنیف میں بھی سرائیکی ادیبوں اور شاعروں کا تذکرہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تحریر سادہ اور سلیس ہے۔ عبارت عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں مسجع و مقفیٰ عبارت بھی استعمال کی گئی ہے۔ ان کی تحقیق غیر سندی ہے ان کو تحقیق و تنقید کا بہت شوق تھا جس کا اظہار اپنی تصانیف میں کرتے نظر آتے ہیں انہوں نے اپنے تیئں علاقے کی محبت میں سرشار ہو کر ضلع بھکر میں اُردو تحقیق و تنقید کی رسم ڈالی اور بہترین نمونے پیش کیے۔ ان کی تحریریں مستند اور حوالہ جاتی ہیں۔ انہوں نے اپنی توانا تخلیقات کے ذریعے ملک بھکر کے ادبی حلقوں میں اپنے علاقے کو منفرد شناخت عطا کی ہے۔ علی شاہ ایک خوبصورت شاعر بھی ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ 2005ء میں فن پبلشرز اسلام آباد سے شائع ہوا۔ اس کا انتساب علی شاہ کے دیرینہ دوست بلال مہدی کے نام معنون کیا گیا ہے۔ اس پر تاثرات ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے لکھے اور اس کا دیباچہ جبار مرزا نے لکھا اس مجموعہ میں غزلیں اور نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ بعض نظمیں آزاد اور کچھ نظمیں غزل کی ہئیت میں تحریر کی گئی ہیں۔ ماں کے بارے میں بھی ایک خوب صورت نظم تحریر کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس مجموعہ میں معاشرتی مسائل اور سماجی ناہمواریوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ وہ ایک دردمند دل رکھنے والے انسان تھے اور اسی لیے انسانوں کو درپیش مسائل بڑی مہارت سے اپنی شاعری میں پرو دیا ہے۔ جبار مرزا اس ضمن میں یوں رائے دیتے ہیں:

"علی شاہ کا کلام صحرا میں اگے ہوئے اس درخت کی مانند ہے جس مہک یوں ہی فضا میں بکھر جایا کرتی ہے۔ لیکن علی شاہ نے اسے خواب کی دہلیز پر کتابی صورت دے کر بکھرنے سے بچا لیا ہے"۔(7)

علی شاہ کی کالم نگاری پر مشتمل ایک تصنیف "دھرتی کے رنگ" کے عنوان سے 2002ء میں صدق رنگ پبلیشرز ملتان سے شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت سے پہلے وہ اسی عنوان سے مختلف اخبارات میں کالم نویسی کرتے رہے۔ اس تصنیف کو

ضلع بھکر کی کالم نگاری پر پہلی نثری تصنیف ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان کے شاہکار کالموں میں 'شاہد سٹھو، اماں قرآن والی، گورونانک کا جنم استھان، خوابوں کا جزیرہ اور گامابس کر'، زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے انتہائی سادہ اور آسان الفاظ میں قاری تک پیغام پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تحریروں میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے لکھاری کی تحریر میں ہونی چاہییں۔ ان کی تحریر میں روانی بھی ہے، خوبصورت الفاظ کا ذخیرہ بھی اور سچائی کے ساتھ ساتھ درکھ اور درد بھی موجود ہے۔ علی شاہ نے مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کے بعض کالموں کو پڑھ کر دل مچلنے لگتا ہے اور اسے مکمل پڑھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ان میں دلچسپی کا عنصر نمایاں ہے۔ اس کتاب کی اہمیت یوں بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں رائے دینے والوں میں ملک کے مشہور و معروف ادباء شامل ہیں۔ ان کا انداز بیان منفرد اور جداگانہ ہے۔ انہوں نے سنجیدہ اور مشکل موضوع کو بھی دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے جس سے قاری کو کسی قسم کی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ انہوں نے ان کالموں کی شکل میں مختلف تصانیف کے تبصرے بھی لکھے ہیں، جنہیں عوام الناس نے بہت پسند کیا۔ ان کے تبصرے ادباء اور شعراء کی حیات اور اسلوب کے بارے میں لکھے گئے ہیں ان تبصروں کو ماہرین ادب نے بھی بہت سراہا ہے۔ ان کالموں میں علی شاہ نے کچھ خاکے بھی پیش کیے ہیں، جو اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے منفرد اسلوب کے حامل ہیں۔ ان کالموں میں قرآنی آیات، احادیث، اقوال زریں، مصرعے اور اشعار جابجا نظر آتے ہیں۔ ان کالموں کے لکھنے کا مقصد تھل دھرتی کے ادبا کے کلام کا احیا اور انہیں مرکز سے دور ہونے کے باوجود ملکی و غیر ملکی شہرت کے حامل بنانا تھا۔ علی شاہ کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے محمد عارف قریشی ان الفاظ میں رائے دیتے ہیں:

> "علی شاہ کا تعلق چونکہ ایک دور افتادہ مضافاتی علاقے سے ہے اور وہ بھی پسماندہ ترین دھرتی کے ساکن ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے کلام میں دیہی علاقوں کے بناوٹ سے پاک سچے اور کھرے لوگوں کے سندر رومانوی جذبات کو اپنے الفاظ میں پرویا ہے۔ وہ بڑے شہروں اور میڈیا کی پہنچ سے دور رہ کر بھی توانا ادب تخلیق کر رہے ہیں"۔ (8)

علی شاہ نے سرائیکی زبان میں بھی ادب تخلیق کیا ہے۔ ان کا ایک شعری مجموعہ "محبت تھی گئی اے" کے عنوان سے 2009ء میں صدق رنگ پبلشرز ملتان سے شائع ہوا۔ ان کے اس مجموعہ کلام میں سرائیکی گیت اور دوہڑے شامل ہیں۔ ان گیتوں میں سرائیکی تہذیب و ثقافت کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ دوہڑہ سرائیکی صنف سخن ہے جو اُردو رباعی کی مانند ہوتی ہے اس میں بھی چار مصرعے ہوتے ہیں۔ سرائیکی زبان و ادب میں اس صنف سخن کو بہت زیادہ برتا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کی ایک اور سرائیکی تصنیف "تیکوں ملن دی سک" کے عنوان سے منظر عام پر آئی جو 2010ء

میں صدق رنگ پبلشرز ملتان سے شائع ہوئی۔ یہ سرائیکی زبان میں تذکرہ ہے۔ اس میں سرائیکی شعراء کے حالات زندگی اور فن پر رائے دی گئی ہے۔ اس تحقیقی مجموعہ کے لیے انہوں نے دور افتادہ صحرائی علاقوں کا سفر کر کے گمنام شاعروں اور اُدبا کو تلاش کیا اور ان کی حیات و فن پر تبصرے کیے۔

علی شاہ کا ایک خوب صورت اُردو شعری مجموعہ "اجلے رنگ محبت کے" کے عنوان سے 2010ء میں صدق رنگ پبلی کیشنز ملتان سے شائع ہوا۔ اس میں نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ نظموں میں زیادہ تر آزاد نظمیں شامل ہیں۔ ان کی شاعری میں خود اعتمادی، جذبۂ محبت، سوز و گداز، تغزل اور تخیل کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ ان کے کلام میں دیہاتی زندگی کی خوب عکاسی کی گئی ہے جس میں محبت کی کیفیات اور انسانی نفسیات کو خوب صورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی ایک اور تصنیف "ماں میں اکیلا ہوں" کے عنوان سے 2011ء میں صدق رنگ پبلی کیشنز ملتان سے شائع ہوئی۔ اس میں انہوں نے اپنی والدہ کی سوانح عمری لکھی ہے۔ انہیں اپنی والدہ سے از حد محبت تھی جس کا اظہار انہوں نے اس تصنیف کی شکل میں کیا ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی والدہ کی زندگی کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اور ان کو خراج تحسین پیش کیا ہے اس سوانح عمری میں جابجا مصنف کے اپنی والدہ کے ساتھ خلوص اور محبت کے جذبات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ علی شاہ کی بہت سی تحریریں تاحال غیر مطبوعہ بھی ہے جو ان کی زندگی میں شائع نہیں ہو سکیں۔ ان کتب میں "کتاب زندہ رہتی ہے" (تنقیدی مضامین)، "سنہرے لوگ" (اہم سماجی شخصیات کے انٹرویوز)، "امید" (کالم نگاری)، "وہ جو ہم میں نہیں ہیں" (خاکے)، "اجلے من کے اجلے لوگ" (تذکرے)، اور "تاریخِ سادات" (تاریخ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ روزنامہ جنگ، لاہور، 28 نومبر، 2008ء

2۔ وصی شاہ، فلیپ: زرد پتے، شہریار پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000ء

3۔ علی شاہ، دیباچہ: زرد پتے، ص 11

4۔ علی شاہ، منکیرہ کا ادبی منظر نامہ، فلیپ، صدق رنگ پبلی کیشنز، ملتان، مئی 2011ء

5۔ علی شاہ، ماں میں اکیلا ہوں، خود نوشت، صدق رنگ پبلی کیشنز، ملتان، 2015ء، ص 31

6۔ علی شاہ، ثنائے سبط رسول ﷺ، صدق رنگ پبلی کیشنز، ملتان، 2016ء، ص 15

7۔ علی شاہ، منکیرہ کا ادبی منظر نامہ، ص 30

8۔ محمد عارف قریشی، مشاہیر میانوالی و بھکر، ایلیا پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2014ء، ص 338

References in Roman Script:

1. Roznama Jang, Lahore, 28 November 2008
2. Wasi Shah, flap: Zard Patte, Shehriyar Publications, Islamabad, 2000
3. Ali Shah, Dibacha: Zard Patte, P. 11
4. Ali Shah, Mankera ka Adabi Manzar Nama, flap, Sadaq Rang Publications, Multan, May 2011
5. Ali Shah, Maan Main Akela Hoon, khud-navisht, Sadaq Rang Publications, Multan, 2015, P. 31
6. Ali Shah, Sana-e Sibt-e Rasool, Sadaq Rang Publications, Multan, 2016, P. 15
7. Ali Shah, Mankera ka Adabi Manzar Nama, p. 30
8. Muhammad Arif Qureshi, Mashahir Mianwali o Bhakkar, Illya Publications, Rawalpindi, 2014, P. 338